10

موجودہ نازک ایام میں خصوصاً الہامی دعائیں کرنی چاہئیں

(فرمودہ 24 اپریل 1942ء)

تشہد، تعوّذ اور سورہ فاتحہ کے بعد حضور نے حسب ذیل آیات قرآنیہ کی تلاوت کی:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ٚ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۲۸۵ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَ اعْفُ عَنَّا ۥ وَ اغْفِرْ لَنَا ۥ وَ ارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ [1]

اس کے بعد فرمایا۔

"سب سے پہلے تو مَیں قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ و تفسیر کے متعلق جو قرضہ کی تحریک کی گئی تھی۔ اس کے بارے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس رقم کا اندازہ اس وقت شائع کیا گیا تھا اور جو زیادہ اندازہ بعد میں لگایا گیا۔ ان دونوں اندازوں کے مطابق خدا تعالیٰ کے فضل سے دو ہفتہ کے اندر اندر بلکہ اعلان کے لحاظ سے دس بارہ دن کے اندر اندر مطلوبہ رقم پوری ہو گئی ہے۔ چنانچہ آج کے وعدوں کو ملا کر کیونکہ بعض دوستوں کی طرف سے آج بھی بذریعہ تار وعدوں کی اطلاع ملی ہے اور بعض خطوط بھی پہنچے ہیں۔ تیئس چوبیس ہزار روپیہ کے وعدوں کی اطلاع آچکی ہے۔

مَیں چاہتا ہوں کہ سب دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ عمدگی کے ساتھ قرآن کریم کی

چھپوائی کا انتظام فرمادے۔ مجھے افسوس ہے کہ جب اُس کی چھپوائی کا فیصلہ ہو چکا تو بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ نوٹ ابھی صحیح ترتیب سے لکھے ہی نہیں گئے۔ متفرق طور پر تو لکھے ہوئے ہیں مگر چھپوائی کے لئے جس ترتیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ترتیب ابھی نہیں دی گئی۔ اس لئے اب اُن نوٹوں کو ترتیب دینا بہت بڑی محنت کا کام ہو گا اور مجھے کئی آدمی اس غرض کے لئے لگانے پڑیں گے۔ بہر حال دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام کو عمدگی کے ساتھ سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس کے بعد مَیں ان خطبات کے تتمّہ کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو گزشتہ دو جمعوں میں مَیں نے پڑھے ہیں۔ مَیں نے ان خطبات میں جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ دعا ہی ہمارا ہتھیار ہے اور دعا ہی ہماری مشکلات کا واحد علاج ہے ورنہ اور سب حیلے جاتے رہے ہیں جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

حیلے سب جاتے رہے اک حضرت توّاب ہے [2]

پس اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی حیلہ ہمارے پاس باقی نہیں۔ اس وقت ایک ایسے زبردست دشمن سے ہمارے ملک کی لڑائی ہے جو اپنے ساز و سامان کے لحاظ سے اس بات کا مدعی ہے کہ اس کے پاس انگریزوں اور امریکنوں سے زیادہ طاقت موجود ہے اس کے مقابلہ میں ہندوستان کے پاس کوئی بھی طاقت نہیں اور عوام تو بالکل خالی ہاتھ ہیں حالانکہ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ جنگ کے دَوران میں جب تباہی آتی ہے تو وہ صرف حکومت پر ہی نہیں آتی بلکہ اس کا رعایا پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے چنانچہ وہ ہزاروں ہزار آدمی جو برما اور ملایا سے نکل کر آئے ہیں۔ ان کی رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ جو تکلیفیں اور دکھ ان کو اٹھانے پڑے ہیں۔ ان کا قیاس بھی ہم لوگ اس جگہ پر نہیں کر سکتے۔ کئی کئی دن بم باری کی وجہ سے لوگوں کو اپنے گھروں سے باہر رہنا پڑا، وہ نہ کھانا پکا سکتے تھے، نہ دفتروں کو جا سکتے تھے، نہ دکانوں میں بیٹھ سکتے تھے اور نہ ہی اپنے مکانوں میں واپس جا سکتے تھے اس خوف سے کہ کہیں وہ مکانوں کے نیچے دب کر ہلاک نہ ہو جائیں۔ بعض دوستوں نے بتایا کہ جس وقت بعض علاقے انگریزی فوج خالی کر رہی تھی اور دشمن کی آمد کا انتظار تھا۔ اس وقت بد طینت اور بد اخلاق لوگ ڈاکوؤں کی صورت میں شہروں کو

اس طرح ظالمانہ طور پر لوٹ رہے تھے کہ کوئی والی وارث نظر نہیں آتا تھا۔ بڑے بڑے شہروں کی گلیاں اس طرح خالی پڑی تھیں جیسے قبرستان سنسان ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں بعض دفعہ ہم میلوں میل نکل گئے مگر ہمیں کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا اور اگر آتا تھا تو وہ ڈاکو ہوتا تھا۔ چونکہ زیادہ تر ان علاقوں میں سے آنے والے مدراس اور بنگال کے لوگ ہیں۔ اس لئے ان علاقوں میں رہنے والوں پر جنگ کی اہمیت اور اس کی ہولناکی بالکل واضح ہوگئی ہے۔ چنانچہ اب مدراس کی کانگرس پارٹی نے بھی زور دینا شروع کر دیا ہے کہ موجودہ جنگ میں انگریزوں کی مدد کرنی چاہئے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ان علاقوں کے رہنے والے ہزاروں ہزار لوگ جب واپس آئے تو انہوں نے اپنی آنکھوں دیکھے حالات سنائے جو نہایت ہی ہولناک تھے اور جن سے لوگوں کو متاثر ہونا اور ان کے دلوں میں اس خیال کا پیدا ہونا لازمی تھا کہ اس جنگ میں حکومت کی پوری پوری مدد کرنی چاہئے تا کہ دشمن اَور زیادہ آگے نہ بڑھنے پائے۔ گورنمنٹ کی پالیسی یہ ہے کہ وہ اخباروں میں زیادہ بھیانک حالات چھپنے نہیں دیتی تا کہ لوگ ڈر نہ جائیں مگر جو لوگ وہاں سے آئے ہیں اور جو ہندوستان میں رہنے والے ہزاروں لاکھوں لوگوں کے بھائی بند اور رشتہ دار ہیں۔ ان کی زبان کو کون روک سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان علاقوں میں رہنے والے لوگ جنگ کے حالات سے زیادہ واقف ہو چکے ہیں۔ بہ نسبت ان لوگوں کے جو دور رہتے ہیں اور اب تو یہ جنگ روز بروز قریب ہوتی جارہی ہے۔ اب تک برما میں انگریزی فوج بہت کم جاسکی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ برما کو ہندوستان سے جو پہاڑی راستہ جاتا ہے اس راستہ سے زیادہ سامان اور آدمی نہیں پہنچائے جاسکتے اور سمندر پر بہت حد تک دشمن کا قبضہ ہے۔ اس وجہ سے ہمارے ایک ایک سپاہی کو دشمن کے چار چار پانچ پانچ سپاہیوں سے لڑنا پڑتا ہے۔ جس زمانہ میں لڑائیاں ایسی ہوتی تھیں دو چار گھنٹے لڑائی ہوئی اور پھر اس کا خاتمہ ہو گیا۔ دشمن بھاگ گیا یا کچھ حصہ مارا گیا اور کچھ قید کر لیا گیا۔ اس زمانہ میں ایک ایک سپاہی دس دس بیس بیس سپاہیوں کا بھی مقابلہ کر سکتا تھا۔ مگر اب وہ زمانہ ہے کہ لڑائی میں کوئی وقفہ نہیں ہوتا اور رات دن لڑائی جاری رہتی ہے۔ اُس زمانہ میں تو آدمی لڑتے تھے مگر اب توپخانہ کام کرتا ہے۔ اس لئے لازماً جب سپاہی تھوڑے ہوں اور دشمن زیادہ ہوں تو چار چار پانچ پانچ دن تک ان

سپاہیوں کو سونے کا موقع بھی نہیں ملتا اور یہ تجربہ ہر شخص کو ہو گا کہ اگر ایک دن بھی کسی کو نیند نہ آئے تو وہ کیسا مضمحل ہو جاتا ہے۔ پس تم سمجھ سکتے ہو کہ جب چار چار پانچ پانچ دن کسی کو سونے کا موقع نہیں ملے گا تو وہ کس طرح لڑ سکے گا۔ وہ تو خواہ کیسا بہادر ہو تلوار اور بندوق خود بخود اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گی اور وہ کھڑا ہو گا تب بھی سویا ہوا ہو گا اور بیٹھے گا تب بھی سویا ہوا ہو گا۔ تو اس زمانہ کی لڑائی متواتر جاری رہنے والی لڑائی ہے۔ اگر سپاہی زیادہ تعداد میں ہوں تو ایک حصہ لڑتا ہے اور دوسرا حصہ آرام کر لیتا ہے۔ لیکن اگر سپاہیوں کی تعداد کم ہو تو انہیں آرام کا موقع نہیں ملتا اور اس طرح باوجود دلیری سے لڑنے کے ان میں دشمن کے مقابلہ کی طاقت نہیں رہتی چنانچہ برما کی لڑائی میں باوجود اس کے کہ جو واقعات اخبارات میں شائع ہوتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سپاہیوں نے بہت بڑی بہادری سے کام لیا پھر بھی چونکہ ان کی تعداد کم ہے اور دشمن کی تعداد زیادہ اور اسے کمک آسانی سے پہنچ سکتی ہے۔ ہمارے سپاہی تھکتے چلے جاتے ہیں اور بعض جگہ گورنمنٹ کو خود اقرار کرنا پڑا ہے کہ صرف تھکان کی وجہ سے ہمارے سپاہی مقابلہ نہیں کر سکے۔ تو کئی کئی دن نہ سونے کی وجہ سے انسانی جسم میں طاقت ہی نہیں رہتی کہ وہ دشمن کا مقابلہ کر سکے۔ ایسی صورت میں جبکہ دشمن روزانہ بڑھ رہا ہے اور ادھر سمندر میں بھی اسے طاقت اور غلبہ حاصل ہے۔ ہمیں بہت زیادہ دعاؤں سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ابھی ہندوستان کے ملک کی وسعت اور اس کے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے جاپان کو جرأت نہیں ہوئی کہ وہ ہندوستان میں اپنی فوجیں اتارے۔ اگر کوئی چھوٹا ملک ہوتا تو وہ اب تک اپنی فوجیں اتار چکا ہوتا۔ اب وہ سمجھتا ہے کہ اگر مَیں نے لاکھ دو لاکھ فوج اتار بھی دی تو ہندوستان جس میں کروڑوں لوگ رہتے ہیں۔ اس میں جوش پیدا ہو جائے گا اور وہ حکومت سے تعاون کرنا شروع کر دے گا جس کے مقابلہ میں میرا ٹھہرنا مشکل ہو جائے گا۔

غرض خطرہ قریب سے قریب تر آ گیا ہے اور جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو ہندوستان کی محافظ ہو سکتی ہے۔ مَیں نے بتایا تھا کہ دعا کے سوا ہمارے لئے اَور کوئی چارہ نہیں اور مَیں نے بتایا تھا کہ دعا میں پہلی چیز اس یقین کامل کا پیدا ہونا ہے کہ اللہ تعالیٰ

میری دعا سن سکتا ہے۔ جب تک کسی انسان کو یہ یقین حاصل نہ ہو اس وقت تک اسے کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی کیونکہ یقین کامل جہاں ایک طرف انسان میں عظیم الشان تبدیلی پیدا کر دیتا اور اسے ایسا دلیر اور جری بنا دیتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی شخص نہیں ٹھہر سکتا۔ وہاں دوسری طرف یہ یقین خدا تعالیٰ کے فضل کو بھی جذب کرتا ہے۔ دنیا میں بھی جب کسی انسان کو یہ یقین ہوتا ہے کہ دوسرا صرف مجھ پر ہی انحصار رکھتا ہے تو وہ اس کی طرف زیادہ توجہ کیا کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ آپ دعا سب سے زیادہ جوش سے کس کے لئے کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ مَیں سب سے زیادہ جوش سے اس شخص کے لئے دعا کیا کرتا ہوں جو میرے پاس آئے اور کہے کہ میرے لئے آپ کے سوا اَور کوئی دعا کرنے والا نہیں۔ اس وقت مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مَیں اس کا نگران اور محافظ مقرر کر دیا گیا ہوں اور مَیں اپنی ذات پر بھی اس کے لئے دعا کرنا مقدم کر لیتا ہوں جب ایک نیک بندے کا یہ حال ہوتا ہے تو تم سمجھ سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ کی محبت میں اس وقت کس قدر جوش پیدا ہوتا ہوگا جب کوئی بندہ اس کے پاس جائے اور کہے کہ میرا تیرے سِوا اَور کوئی نہیں۔ ایسے انسان کی نگرانی خود خدا تعالیٰ شروع کر دیتا ہے اور وہ اپنے فرشتوں کو کہتا ہے کہ دیکھو میرا بندہ۔ اس کو اب میرے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا گو یہ اپنی مدد کے لئے پکارے اور یہ میرے پاس بہت بڑی امید لے کر آیا ہے۔ اگر یہ ناقص العقل اور کمزور انسان مجھ پر ایسا یقین رکھتا ہے کہ مَیں اس کی مدد کروں گا تو مَیں جو طاقتور اور تمام صفات اور خوبیوں کا مالک ہوں کیوں اس کی مدد نہیں کروں گا۔

اب مَیں یہ بتاتا ہوں کہ ان نازک ایام میں گو ہر شخص اپنی زبان میں بھی دعا کر سکتا ہے مگر خصوصیت سے الہامی دعاؤں کو مدنظر رکھنا چاہیئے اور زیادہ تر وہی دعائیں مانگنی چاہئیں جو اللہ تعالیٰ نے بتائی ہیں۔ سب سے پہلے چونکہ یہ دجالی زمانہ ہے اس لئے مَیں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے سورۂ کہف کی پہلی اور پچھلی دس آیتیں اگر کوئی شخص پڑھ لیا کرے۔ تو وہ دجالی فتنہ سے محفوظ رہے گا۔[3] اس لئے سب سے پہلے مَیں جماعت کو اسی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ جن دوستوں کو توفیق ملے وہ سورۂ کہف کی ابتدائی اور

آخری دس آیات کو حفظ کر لیں اور جو ان آیتوں کو حفظ نہ کر سکیں۔ وہ روزانہ قرآن شریف کو کھول کر پہلی اور آخری دس آیتیں پڑھ لیا کریں تا کہ اللہ تعالیٰ اس دجالی فتنہ سے ان کو اور ہماری سب جماعت کو محفوظ رکھے۔

اس کے بعد جیسا کہ مَیں کہہ چکا ہوں روزانہ کوئی ایک نماز مقرر کر لی جائے۔ جس میں بِالْجَہْر یا بِالسِّر دل میں یا بلند آواز سے۔ امام اور مقتدی اکٹھے یا الگ الگ التزام کے ساتھ دعائیں کریں اور ہماری جماعت کا ہر فرد ان دعاؤں میں حصہ لے تا کہ ہماری متحدہ دعائیں اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کریں۔ ان دعاؤں میں خصوصیت کے ساتھ وہ دعائیں مد نظر رکھنی چاہئیں جو اس زمانہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور جو مشکلات کو دور کرنے میں کام آسکتی ہیں۔

بے شک اپنی زبان میں بھی دعائیں کرنی چاہئیں کیونکہ اس طرح زیادہ جوش پیدا ہوتا ہے مگر اپنی دعا اور خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی دعا میں یہ فرق ہوتا ہے کہ انسان بعض دفعہ غلط دعا کرنے لگ جاتا ہے اور اُسے مانگنا تو کچھ چاہئے مگر مانگنے کچھ لگ جاتا ہے۔ اس قسم کی غلطی ان دعاوں کے مانگنے میں نہیں ہو سکتی جو خدا تعالیٰ نے بتائی ہیں۔ اس لئے بے شک تم اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو مگر زیادہ تر ان دعاؤں پر زور دو جو الہامی ہیں اور جو خدا تعالیٰ نے مشکلات کو دور کرنے کے لئے بتائی ہیں کیونکہ انسان اپنے الفاظ میں خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے بعض دفعہ کئی قسم کی غلطیاں کر جاتا ہے مثلاً کئی لوگ دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ ہم کو بچہ دے۔ اب بظاہر یہ ایک اچھی دعا ہے لیکن اگر وہ قرآن کریم کی بتائی ہوئی ہدایت کی روشنی میں دعا مانگیں گے تو وہ زیادہ بہتر ہو گی کیونکہ خدا تعالیٰ صرف یہ نہیں کہتا کہ تم یہ دعا کرو کہ الٰہی ہم کو بچہ دے بلکہ خدا یہ دعا سکھاتا ہے کہ تم کہو خدایا ہم کو نیک بچہ دے مگر انسان کو بچے کے خیال میں یہ ہوش ہی نہیں رہتا کہ وہ صحیح دعا مانگے بلکہ وہ صرف اسی قدر دعا کرنا کافی سمجھتا ہے کہ خدایا مجھ کو بچہ دے حالانکہ وہ بچہ اس کی بدنامی، اس کی تباہی اور اس کی بربادی کا بھی موجب ہو سکتا ہے۔ اس کے خاندان کی بدنامی اور تباہی و بربادی کا بھی موجب ہو سکتا ہے بلکہ ایک بچہ ساری دنیا کی تباہی اور بربادی کا بھی باعث ہو سکتا ہے۔ آخر ابو جہل ایک بچہ ہی تھا جو پیدا ہوا۔ اس کے ماں باپ نے اس کے لئے کتنی ہی منتیں مانی ہوں گی اور اس کے پیدا ہونے پر وہ کس قدر خوش

ہوئے ہوں گے مگر پھر وہ بچہ کیسا ظالم اور برا ثابت ہوا۔ تو انسان بسا اوقات دعا کرتے ہوئے جوش میں آکر کہہ دیتا ہے کہ خدایا مجھے بچہ مل جائے اور اس کی یہ دعا ناقص ہوتی ہے لیکن اگر وہ قرآن اور رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بتائی ہوئی دعاؤں کو مدنظر رکھے گا تو وہ کہے گا کہ الٰہی مجھے نیک اور صالح اولاد عطا ہو۔

اسی طرح بعض دفعہ انسان غریب ہوتا ہے وہ جوش میں آتا ہے اور دعا کرتے ہوئے کہتا ہے یا اللہ مجھے مال دے لیکن مال تو چوری کا بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے اس کا ایمان خراب ہو جائے اور وہ چور اور ڈاکو بن جائے۔ اس طرح بھی وہ مالدار تو ہو جائے گا مگر ایمان جاتا رہے گا لیکن اگر وہ قرآن اور رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بتائی ہوئی دعاؤں کی روشنی میں اللہ تعالیٰ سے مال مانگے گا تو وہ کہے گا۔ الٰہی مجھے حلال اور طیب مال دے۔ پھر وہ خالی یہی نہیں کہے گا کہ مجھے ایسا مال دے جو حلال اور طیب ہو بلکہ قرآن کریم اور رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بتائی ہوئی دعاؤں کی روشنی میں وہ یہ کہے گا کہ الٰہی مجھے ایسا حلال اور طیب مال دے جس سے مَیں فائدہ بھی اٹھا سکوں۔ اگر اسے حلال اور طیب مال تو ملے مگر اسی دن مر جائے تو اس مال کا اسے کیا فائدہ ہوا۔ تو انسان جب اپنی عقل سے دعا مانگے تو اس سے کئی قسم کی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں لیکن اگر وہ خدا اور اس کے رسول کی بتائی ہوئی دعائیں مانگے تو چونکہ وہ کامل ہوتی ہیں اس لئے بہت سے ایسے خطرات جو اس دعا کے پورا ہونے کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں ان کا بھی ساتھ ہی علاج ہو جاتا ہے۔

مَیں سمجھتا ہوں اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے ایک جامع دعا جو رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کثرت سے مانگا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی بتایا کرتے تھے اور مسلمانوں میں بھی عام طور پر رائج ہے اور جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی وحی کے ذریعہ نازل ہوئی ہے۔ یہ ہے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ [4] خدا تعالیٰ کے کلام اور اس کی وحی میں بہت سی دعائیں ہیں مگر یہ ایسی دعا ہے جسے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خصوصیت سے چُن کر صحابہؓ کو بتایا اور خود بھی اسے کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ یہ بظاہر بہت چھوٹی سی دعا ہے لیکن ہر قسم کی انسانی ضرورتوں پر حاوی ہے۔ انسان کہتا ہے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً

اَے ہمارے رب! ہم کو اس ورلی زندگی میں حسنہ دے۔ یہ نہیں فرمایا کہ حسنات دے۔ یہاں ایک فرق ہے جس کو مد نظر رکھنا چاہئے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حسنہ کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے۔ یہ درست نہیں حسنات کا لفظ استعمال کرنا چاہئے تھا جس کے معنے بہت سی نیکیوں کے ہیں مگر یہ اعتراض عربی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر یہاں حسنات کا لفظ ہوتا تو اس کے معنے یہ ہوتے کہ ہمیں کچھ نیکیاں ملیں لیکن حسنہ کے یہ معنے ہیں کہ ہمیں جو کچھ ملے، نیکی ملے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً ۔اے ہمارے رب دنیا میں ہم کو جو کچھ دے حسنہ دے، روٹی دے تو حلال ہو، طیب ہو، پچنے والی ہو، جسم میں خون صالح پیدا کرنے والی ہو، بیماریوں سے بچانے والی ہو۔ کپڑا دے تو حلال دے، طیب دے، ضرورت کے مطابق دے، ننگ ڈھانکنے والا دے، پسندیدہ دے۔ بیوی دے تو ایسی دے جو ہمدرد ہو۔ ہم خیال ہو، دیندار ہو، محبت کرنے والی ہو، نیکی میں تعاون کرنے والی ہو، بچے پیدا کرنے والی ہو۔ ان بچوں کی نیک تربیت کرنے والی ہو۔ مکان دے تو مبارک دے وہ بیماریوں والا گھر نہ ہو، سِل، دِق اور ٹائیفائڈ کے جراثیم اس میں نہ ہوں کوئی چیز ایسی نہ ہو جو صحت پر بُرا اثر ڈالنے والی ہو۔ کوئی ہمسایہ ایسا نہ ہو جو دکھ دینے والا ہو۔ وہ ایسے محلہ میں نہ ہو جہاں کے رہنے والے بُرے ہوں، وہ ایسے شہر میں نہ ہو جسے تُو اچھا نہ سمجھتا ہو۔ ہمیں حاکم دے تو ایسے دے جو رحمدل ہوں، تقویٰ سے کام لینے والے ہوں، انصاف کرنے ولے ہوں، ماتحتوں سے محبت کرنے والے ہوں۔ ہمیں استاد دے تو ایسے دے جو علم رکھنے والے اور اچھا پڑھانے والے ہوں۔ وہ شوق سے پڑھائیں، وہ ظالم نہ ہوں، خرابیاں پیدا کرنے والے اور دوسروں کو ورغلانے والے نہ ہوں۔ دوست دے تو ایسے دے جو خیر خواہ ہوں، محبت کرنے والے ہوں، مصیبت میں کام آنے والے ہوں، خوشی میں شریک ہونے والے ہوں اور دکھوں میں ہاتھ بٹانے والے ہوں۔ غرض رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً اے ہمارے رب! دنیا میں ہم کو وہ چیز دے جو حسنہ ہو۔ تو یہاں حسنات کی بجائے حسنہ کا لفظ رکھ کر اس کے مفہوم کو خدا تعالیٰ نے وسیع کر دیا ہے اور جب مومن یہ دعا کرتا ہے تو دوسرے الفاظ میں وہ یہ کہتا ہے کہ خدایا مجھے ہر وہ چیز دے جو میری ضرورت کے مطابق ہو اور پھر وہ چیز ایسی ہو جو نہایت اچھی ہو مگر اچھی چیز کے لئے اَور الفاظ

بھی استعمال ہو سکتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے وہ الفاظ استعمال نہیں کئے بلکہ حسنہ کا لفظ استعمال کیا ہے اس لئے کہ یہ لفظ ظاہری اور باطنی دونوں خوبیوں پر دلالت کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز اپنے فوائد اور خوبیوں کے لحاظ سے اچھی ہو مگر ظاہری صورت کے لحاظ سے اچھی نہ ہو مثلاً کسی شخص کی بیوی بڑی با اخلاق ہو مگر فرض کرو وہ نکٹی ہے یا اندھی ہے یا بہری ہے تو وہ حسنہ نہیں کہلائے گی۔ حسنہ وہی بیوی کہلائے گی جس کے اخلاق بھی اچھے ہوں اور شکل بھی اچھی ہو، ظاہر بھی اچھا ہو اور باطن بھی اچھا ہو۔ تو حسنہ کا لفظ ظاہری اور باطنی دونوں خوبیوں پر دلالت کرتا ہے اور مومن اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہے کہ خدایا مجھے جو چیز بھی دے وہ ایسی ہو جو ظاہری اور باطنی دونوں خوبیاں رکھتی ہو۔

پھر فرمایا وَ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً آخرت میں بھی ہمیں وہ چیز دے جو حسنہ ہو۔ یعنی وہ بھی ظاہر و باطن میں ہمارے لئے اچھی ہو۔ ممکن ہے کوئی کہے کہ آخرت میں تو ہر چیز اچھی ہوتی ہے وہاں کی چیزوں کے لئے حسنہ کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ آخرت میں بھی بعض چیزیں ایسی ہیں جو باطن میں اچھی ہیں مگر ظاہر میں بُری ہیں مثلاً دوزخ ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ انسان کی اصلاح کا ذریعہ ہے۔ پس ایک لحاظ سے وہ بُری بھی ہے۔ پس جب آخرت کے لئے بھی خدا تعالیٰ نے حسنہ کا لفظ رکھا تو اسی لئے کہ تم یہ دعا کرو کہ الٰہی ہماری اصلاح دوزخ سے نہ ہو بلکہ تیرے فضل سے ہو اور آخرت میں ہمیں وہ چیز نہ دیجیو جو صرف باطن میں ہی اچھی ہو جیسے دوزخ باطن میں اچھا ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے مگر ظاہر میں بُرا ہے کیونکہ وہ عذاب ہے۔ آخرت میں حسنہ صرف جنت ہے جس کا ظاہر بھی اچھا ہے اور جس کا باطن بھی اچھا ہے۔

پھر فرمایا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ہم کو عذابِ نار سے بچا۔ اس سے مراد وہی عذابِ نار نہیں جو مرنے کے بعد ملے گا۔ یہ عذابِ نار دنیا کے ساتھ بھی تعلق رکھتا ہے کیونکہ دنیا اور آخرت دونوں کے ساتھ تعلق رکھنے والی دعاؤں کے بعد وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ کہا گیا ہے۔ پس وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں دنیا کے عذابِ نار سے بھی بچا اور آخرت کے عذابِ نار سے بھی محفوظ رکھ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں دنیا میں کئی لوگ عذابِ نار میں گرفتار

ہوتے ہیں۔ انہیں کئی قسم کے دکھ ہوتے ہیں۔ تکلیفیں ہوتی ہیں، حسرتیں ہوتی ہیں، قسم قسم کے مصائب ہوتے ہیں مگر جب انسان اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ خدایا مجھے عَذَابَ النَّار سے بچا۔ تو خدا اسے اس عذاب سے بچالیتا ہے۔ تب وہی چیزیں جو پہلے اس کے لئے نار تھیں جنت بن جاتی ہیں۔ اسی طرح اس سے مراد آخرت کا عذاب بھی ہے جس سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دعا سکھلائی ہے۔ اب بظاہر یہ ایک مختصر سی دعا ہے مگر بڑی جامع اور وسیع دعا ہے۔ عَذَابُ النَّار کے لحاظ سے دنیا کی لڑائی بھی مراد لی جاسکتی ہے کیونکہ لڑائی بھی آگ کا ہی عذاب ہے۔ پس جو شخص یہ دعا کرے گا کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ وہ گویا خدا تعالیٰ کے بیان فرمودہ الفاظ میں یہ دعا کرے گا کہ الٰہی دنیا میں مجھ پر کوئی ساعت ایسی نہ آئے جو بُری ہو۔ لڑائی مجھ سے دور رہے اور یہ آگ کا عذاب میرے قریب نہ پہنچے۔ اگر کوئی سپاہی لڑائی میں شامل ہو اور وہ یہ دعا کرے تو اس کی دعا کے یہ معنی ہوں گے کہ الٰہی لڑائی کے بد اثرات سے مجھے بچا۔ بندوق کی گولی آئے تو وہ مس کر جائے میرے دائیں نکل جائے یا بائیں نکل جائے، اوپر نکل جائے یا نیچے نکل جائے۔ بہر حال وہ مجھے نہ لگے اور مَیں محفوظ رہوں۔

پس ایک تو یہ دعا ہے جس پر زور دینا چاہئے۔ دوسری دعا جس پر ان ایام میں خصوصیت سے زور دینا چاہئے۔ وہ ہے جو سورۂ بقرہ کے آخر میں بیان ہوئی ہے کہ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا اے ہمارے رب ہمیں مت پکڑ۔ اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے کوئی خطا سرزد ہو جائے۔ بھول جانے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی کام کرنا ضروری ہو مگر وہ نہ کیا جائے اور خطا کے معنی یہ ہیں کہ کام تو کیا جائے مگر غلط کیا جائے۔ بعض لوگ اس بحث میں پڑ گئے ہیں کہ نسیان اور خطا دو ہم معنی لفظ یہاں کیوں لائے گئے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ دنیا میں کام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ کوئی کام تو ایسے ہوتے ہیں جو کرنے ضروری ہوتے ہیں مگر انسان نہیں کرتا اور کوئی کام ایسے ہوتے ہیں جو انسان کرتا تو ہے مگر غلط طور پر کرتا ہے اور یہ دونوں ہی غلطیاں ہوتی ہیں۔ نسیان کے معنی بھول جانے کے ہیں اور بھولنا کرنے کے متعلق ہوتا ہے نہ کرنے کے متعلق نہیں ہوتا۔ پس رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ کے معنی یہ ہوئے کہ خدایا ایسا نہ ہو

کہ جو کام کرنے ضروری ہیں وہ ہم نہ کریں اور اس طرح ہم ترقی سے محروم ہو جائیں۔ پس تُو ہماری حفاظت فرما اور ہمیں اس غلطی سے محفوظ رکھ اَوْ اَخْطَاْنَا اور یا الٰہی یہ بھی نہ ہو کہ جو کام ہمیں نہیں کرنا چاہئیں وہ ہم کرلیں یا ہم کریں تو وہی جو ہمیں کرنا چاہئے مگر غلط طریق پر کریں۔ پس نسیان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو کام کرنے تھے وہ کسی انسان سے رہ جائیں اور خطا کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو کام نہیں کرنے چاہئے تھے وہ کرلئے جائیں یا جن کاموں کا کرنا ضروری تھا وہ غلط طور پر کئے جائیں۔ تو نسیان عدم عمل کا نام ہے اور خطا عمل کی خرابی کو کہتے ہیں۔ اسی لئے یہاں دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ پس ان میں سے کوئی لفظ زائد نہیں بلکہ ہر لفظ اپنی اپنی جگہ ضروری ہے۔

پھر فرماتا ہے رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا اور اے ہمارے رب ہم پر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈال جس کے ساتھ سزا لگی ہوئی ہو۔ جس طرح تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر بوجھ ڈالا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہمیں اتنی نمازیں پڑھنے کو نہ بتا جو ہم پڑھ نہ سکیں کیونکہ خدا تعالیٰ شریعت کے متعلق قرآن کریم میں ہی ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ ہم نے اسے آسان بنایا ہے۔ اسی طرح فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا خدا تعالیٰ کی طرف سے جو حکم آتے ہیں وہ انسان کی طاقت اور اس کی توفیق کے مطابق ہوتے ہیں۔ پس اس کے یہ معنی نہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بعض جرائم کی بناء پر پہلے لوگوں کے لئے جو سزائیں نازل کی گئی تھیں وہ سزائیں ہم پر نازل نہ ہوں اور ہم سے وہ غلطیاں سرزد نہ ہوں جو پہلے لوگوں سے سرزد ہوئیں اور جن کی وجہ سے وہ تباہ کر دیئے گئے۔ انہوں نے تیری نافرمانیاں کیں اور تیرے احکام کے خلاف انہوں نے قدم اٹھایا جس کی وجہ سے ان پر ایسی حکومتیں مسلّط ہوئیں اور ایسے قانون ان کے لئے مقرر کر دیئے گئے جو ان کے لئے ناقابلِ برداشت تھے۔ تو ہمیں اپنے فضل سے ایسے مقام پر کھڑا نہ کیجیو کہ ہم سے ایسی خطائیں سرزد ہوں اور ہمیں بھی ایسی سزائیں ملیں جو ہمارے نفس کی طاقت برداشت سے باہر ہوں۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ نفس کی طاقت برداشت کے مطابق اگر خدا تعالیٰ سے سزا ملے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بات یہ ہے کہ ہر روحانی سزا برداشت سے باہر ہوتی ہے اس کی رذالت ہی

ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ ایسی سزا کو برداشت کر لیتا ہے ورنہ اگر شرافت نفس ہو تو چھوٹی سے چھوٹی سزا بھی انسان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ چنانچہ دیکھ لو جب کسی کو دوسرے سے محبت ہوتی ہے تو اس کی معمولی سی ناراضگی سے ہی اس کا دل بے چین ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ کہتا ہے اس نے آنکھیں میری طرف نہیں پھیریں۔ بعض دفعہ کہتا ہے اس نے مجھ سے اچھی طرح باتیں نہیں کیں، بعض دفعہ کہتا ہے اس نے مجھ سے باتیں تو کیں مگر ان میں بشاشت نہیں ہوتی تھی اور اسی بات کا اس کی طبیعت پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ وہ غمگین ہو جاتا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ ہمیں بڑی سزا نہ دیجئیو، چھوٹی سزا دیجئیو بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہمیں سزا دیجئیو ہی نہیں چھوٹی نہ بڑی۔ رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَيۡنَآ اِصۡرًا كَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا درحقیت نتیجہ ہے اِنۡ نَّسِيۡنَآ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا کا۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ ہم سے کوئی خطا سرزد ہو جائے اور ہم اسی طرح سزا کے مستحق ہو جائیں جیسے پہلی قومیں سزا کی مستحق ہوئیں مگر دنیا میں بعض مصائب ایسے بھی ہوتے ہیں جو بغیر قصور کے آ جاتے ہیں۔ قصور ہمسایہ کا ہوتا ہے اور دکھ اسے پہنچ جاتا ہے۔ قصور اس کے دوست کا ہوتا ہے اور سزا کا اثر اس پر پڑتا ہے۔ اس لئے جہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہ دعا سکھائی کہ تم یہ کہا کرو کہ مجھ سے کوئی ایسا خطا یا نسیان نہ ہو جائے جس کی وجہ سے مَیں تیری سزا کا مستحق ہو جاؤں۔ وہاں دوسری دعا یہ سکھائی رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ اے خدا ایسا نہ ہو کہ قصور تو میرے ہمسایہ کا ہو اور سزا مجھے مل جائے یا قصور دنیا کا ہو اور اس کی مصیبت کا اثر مجھ پر آ پڑے۔ جیسے اس وقت جو لڑائی ہو رہی ہے یہ نتیجہ ہے اس شکوے کا جو جاپانیوں کو انگریزوں سے ہے۔ مگر گولہ باری ہندوستانیوں پر ہو رہی ہے۔ انہیں شکوہ ہے انگلستان سے، انہیں شکوہ ہے امریکہ سے مگر اس کی لپیٹ میں ہندوستان آ گیا ہے حالانکہ وہ ریڈیو پر برابر یہ اعلان کرتے رہتے ہیں کہ ہمیں ہندوستان والوں سے کوئی دشمنی نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر انہیں ہندوستان والوں سے کوئی دشمنی نہیں تو پھر ہندوستانیوں پر گولہ باری کیوں کر رہے ہیں۔ اس کا جواب وہ یہی دیں گے کہ ہمیں تم سے کوئی دشمنی نہیں مگر چونکہ انگریزوں نے یہاں قبضہ کیا ہوا ہے اس لئے ہمارے لئے یہاں حملہ کرنا ضروری ہے۔ تو معلوم ہوا کہ بعض دفعہ کسی ساتھی کی وجہ سے بھی انسان کو سزا مل جاتی ہے۔ اس لئے

اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی ازالہ کیا اور فرمایا تم یہ دعا کیا کرو کہ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ خدایا ایسا بھی نہ ہو کہ ہمیں اپنے ساتھیوں کے قصور کی وجہ سے سزا مل جائے۔ مگر یہاں ایک شرط بڑھا دی اور وہ یہ کہ مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ اور اس شرط کو اس لئے بڑھایا کہ یہاں ناراضگی کا سوال نہیں بلکہ دنیوی مصائب اور ابتلاؤں کا ذکر ہے۔ ناراضگی بے شک چھوٹی بھی برداشت نہیں ہو سکتی مگر چھوٹی تکلیف برداشت کر لی جاتی ہے۔ پس جہاں روحانی سزا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذکر تھا وہاں تو یہ دعا سکھائی کہ ہم میں تیری کسی ناراضگی کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں۔ وہ ناراضگی چھوٹی ہو یا بڑی مگر جب دنیوی تکالیف کا ذکر آیا تو وہاں یہ دعا سکھلائی کہ چھوٹے موٹے ابتلاؤں پر مجھے اعتراض نہیں اور مَیں یہ نہیں کہتا کہ میرا قدم ہمیشہ پھولوں کی سیج پر رہے البتہ وہ ابتلاء جو تیری ناراضگی کا موجب نہیں اور جو دنیا میں عام طور پر آیا ہی کرتے ہیں ان کے متعلق میری صرف اتنی درخواست ہے کہ کوئی ابتلاء ایسا نہ ہو جو میری طاقت سے بالا ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ مومن ایسے ابتلاء خود چاہتا ہے بلکہ خدا تعالیٰ نے چونکہ بتایا ہوا ہے کہ مَیں مومن کا امتحان لیا کرتا ہوں اس لئے مومن یہ نہیں کہتا کہ خدایا میرا امتحان نہ لے بلکہ وہ کہتا ہے خدایا امتحان تو لیجیو مگر ایسا نہ لیجیو جو میری طاقت سے بڑھ کر ہو۔ تو جو حصہ ناراضگی کا تھا وہاں تو کہہ دیا کہ مَیں ذرا سی ناراضگی بھی برداشت نہیں کر سکتا مگر جہاں دنیوی تکالیف اور ابتلاؤں کا ذکر تھا وہاں کہہ دیا کہ خدایا تکالیف تو آئیں مگر ایسی نہ ہوں جو طاقت سے بڑھ کر ہوں۔ مثلاً لڑائی ایک ایسا ابتلاء ہے جو انسانی طاقت سے بالا ہوتا ہے۔ پس جب مومن یہ دعا کرے گا کہ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ تو دوسرے الفاظ میں وہ یہ دعا کرے گا کہ خدایا اس لڑائی کے عذاب کو مجھ سے ہٹا دے۔ وَاعْفُ عَنَّا اور مجھ سے عفو کر۔ مَیں سمجھتا ہوں یہ نَسِيْنَا کے مقابلہ میں ہے۔ یعنی جو کلام مجھے کرنا چاہئے تھا چونکہ مَیں نے نہیں کیا اس لئے تو مجھے معاف کر۔ وَاغْفِرْ لَنَا اور جو غلط کام مَیں کر چکا ہوں اس کے خمیازہ سے تُو مجھے بچا لے۔ میرے فعل پر پردہ ڈال دے اور اس کام کو نہ کئے کی طرح کر دے۔

عفو کے معنے رحم کے بھی ہوتے ہیں اور جو چیز کسی انسان سے رہ جائے اس کا ازالہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ مہیا کر دی جائے۔ اس لئے فرمایا وَاعْفُ عَنَّا جو چیز رہ گئی ہے اس کو تو

اپنے فضل اور رحم سے مہیا فرما دے۔ اس کے مقابلہ میں جو کام غلط ہو جائے اس کی درستی اس طرح ہو سکتی ہے کہ اس کام کو مٹایا جائے چنانچہ اَخْطَاْنَا کے مقابلہ میں اغْفِرْ لَنَا رکھ دیا اور غَفَرَ کے معنے عربی زبان میں مٹا دینے کے ہوتے ہیں یعنی اے خدا جو کام ہم غلط طور پر کر چکے ہیں اس کو تُو مٹا دے اور اسے نہ کئے کی طرح کر دے۔ گویا ایک طرف تو یہ کہہ دیا کہ جو کام مَیں نے نہیں کیا اور اس طرح رخنہ واقع ہو گیا ہے اس رخنہ کو تُو اپنے فضل سے پُر کر دے اور دوسری طرف یہ کہہ دیا کہ جو کام مَیں غلط طور پر کر چکا ہوں اس کو تُو مٹا ڈال۔ وَارْحَمْنَا۔ پھر اس کام کے نتیجہ میں مجھ سے جو اَور غلطیاں ہوئی ہیں اور جن ترقیات کے حصول میں روک واقع ہو گئی ہے اُن غلطیوں کے متعلق بھی مجھ پر رحم کر اور ترقیات کے راستہ میں جو روکیں حائل ہو گئی ہیں ان کو اپنے فضل سے دُور کر دے۔ اَنْتَ مَوْلٰنَا تُو ہمارا مولیٰ، ہمارا آقا اور ہمارا مالک ہے۔ آخر ہماری کمزوریاں کسی نہ کسی رنگ میں لوگوں نے تیری طرف ہی منسوب کرنی ہیں۔ لوگوں نے یہی کہنا ہے کہ یہ خدائی جماعت کہلاتی تھی مگر اسے بھی دکھ پہنچا اور اسے بھی دوسروں کی طرح تکلیف ہوئی۔ پس اَے مولا تُو ہمارا آقا ہے اور ہم تیرے خادم، تُو آقا ہونے کے لحاظ سے ہم پر رحم کر کیونکہ ہماری کمزوریاں آخر تیری طرف منسوب ہوں گی اور لوگ ہدایت سے محروم ہو جائیں گے۔ فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ پس اے ہمارے رب! ہم کو کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما اور جو لوگ ایسے کام کر رہے ہیں جن سے اسلام کی ترقی میں روک واقع ہوتی ہے ان پر تُو ہمیں غالب کر اور ایسے سامان پیدا فرما جو تیری تبلیغ اور تیرے نام کو دنیا میں پھیلانے کا باعث ہوں۔

پس مَیں سمجھتا ہوں اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے یہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی دعا ہے اور ہماری جماعت کو التزام کے ساتھ یہ دعا مانگتے رہنا چاہئے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی بعض دعائیں الہام کے ذریعہ بتائی گئی ہیں جن کو یاد رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ ان میں سے دو دعائیں ایسی ہیں جو خاص طور پر اس زمانہ کے لئے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

(1) رَبِّ كُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ۔ [5]

(2) يَا حَفِيْظُ يَا عَزِيْزُ يَا رَفِيْقُ۔[6]

اگر ہم غور سے دیکھیں تو در حقیقت یہ دونوں دعائیں ایک دوسرے کی ترجمان ہیں کیونکہ اس دعا میں تین صفات کا ذکر ہے حفیظ، عزیز اور رفیق کا اور پہلی دعا میں بھی خدا تعالیٰ کے مالک ہونے کا ذکر ہے جو عزیز کا ہم معنی ہے۔ فرماتا ہے رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ اے رب ہر چیز تیری خادم ہے اور جس کی ہر چیز خادم ہو گی وہی عزیز ہو گا۔ تو رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ کی جگہ اس دعا میں صرف اتنا کہا گیا ہے کہ يَا عَزِيْزُ ۔ پھر اُس دعا میں تھا رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ اے میرے رب تیری ہر چیز خادم ہے پس تُو میری حفاظت فرما کیونکہ جب ہر چیز تیری خادم ہوئی تو تیرے کہنے کے بغیر وہ نہیں ہلے گی۔ تُو ہی حکم دے گا تو ان میں نفع یا نقصان کے لئے کوئی حرکت پیدا ہو گی پس وہاں فَاحْفَظْنِیْ کہا گیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسری دعا میں يَا حَفِيْظُ کہا گیا۔ پس وہاں بھی حفاظت کا ذکر ہے اور یہاں بھی خدا تعالیٰ کی صفت حفیظ کا ذکر کر کے اس سے حفاظت طلب کی گئی ہے۔ پھر تیسری صفت جو اس دعا میں استعمال کی گئی ہے وہ رفیق ہے چنانچہ کہا گیا ہے يَا رَفِيْقُ ۔ اے رفیق اور دنیا میں رفیق دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک رفیق وہ ہوتے ہیں جو نگرانِ بالا کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے ماں باپ رفیق ہوتے ہیں مگر ان کی رفاقت بالا رنگ رکھتی ہے اور وہ اپنے بچوں کے نگران ہوتے ہیں۔ مگر ایک رفیق وہ ہوتے ہیں جنہیں ساتھی، دوست اور بھائی کہا جاتا ہے، وہ مصیبت کے وقت کام آتے اور دکھ میں اپنے ساتھی کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بھی اپنے بندوں سے دو قسم کے تعلق ہوتے ہیں۔ کسی وقت تو اس کا تعلق دوستی اور محبت کا رنگ لئے ہوئے ہوتا ہے اَور وہ کہتا ہے۔ اے میرے بندے مجھ سے اپنی تکالیف بیان کر کہ مَیں تیری تکلیفوں کو دور کروں۔ مگر کبھی وہ کہتا ہے اے میرے بندے مَیں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو ایسا کر۔ پس چونکہ اس کا اپنے بندوں سے دو قسم کا تعلق ہوتا ہے اس لئے رفیق کے مقابلہ میں بھی دو الفاظ رکھے کہ وَ انْصُرْنِیْ وَ ارْحَمْنِیْ یعنی جہانتک تیری رفاقت کا تعلق اس بات سے ہے کہ تو تنزل فرما کر مجھے اپنی مرضی پر چھوڑ دیتا ہے اور کہتا ہے بتا تیری مرضی کیا ہے کہ مَیں اس کے مطابق تیرا کام کر دوں۔ اس حد تک میری تجھ سے یہ دعا ہے کہ تُو مجھے اپنی سعی پر نہ رہنے دے کیونکہ کیا معلوم میری کوشش

غلط نتائج پیدا کرنے والی ہو۔ اس لئے تو آپ میری مدد کر اور میرے لئے وہی اسباب مہیا فرما جو میرے لئے مفید اور بابرکت ہوں اور جن کے ساتھ تیری مرضی بھی شامل ہو۔ لیکن اے اللہ! کبھی تیری رفاقت اس رنگ میں ہوتی ہے کہ تُو کہتا ہے یہ میرا حکم ہے اس پر عمل کر جیسے ماں باپ انسان کے رفیق ہوتے ہیں مگر ان کی رفاقت حکومت کے رنگ میں ہوتی ہے۔ پس جب اس مقام پر مَیں کھڑا ہوں اور تُو مجھے کوئی حکم دے تو چونکہ مَیں کمزور ہوں اس لئے مجھ پر رحم کر کے ایسا حکم نہ دیجئو جس پر مَیں اپنی کمزوری کی وجہ سے عمل ہی نہ کر سکوں۔ غرض جب تیری رفاقت دوستانہ رنگ میں آئے تو اس وقت تُو میرا ساتھی بن کر میری مدد کیجئو اور اگر تیری رفاقت حاکم بالا کی صورت میں ہو تو اس وقت رحم کا پہلو مدنظر رکھیو اَور کوئی ایسا حکم نہ دیجئو جسے مَیں پورا نہ کر سکوں۔ پس یہ دونوں دعائیں ہم معنی ہیں اور چونکہ دعا سے پہلے مناسب حال صفات الٰہیہ کا ذکر قبولیت دعا کا موجب ہوتا ہے اس لئے میرے نزدیک یَاحَفِیْظُ یَا عَزِیْزُ یَا رَفِیْقُ کی دعا پہلے پڑھنی چاہئے اور پھر یہ دعا مانگنی چاہئے رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَ انْصُرْنِیْ وَ ارْحَمْنِیْ۔ اس دوسری دعا میں حفیظ پہلے ہے اور عزیز بعد میں۔ مگر رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ والی دعا میں عزیز کے ہم معنے الفاظ پہلے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یَا حَفِیْظُ والی دعا ایک ایسی دعا کا حصہ ہے جو خطرناک بیماری میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سکھائی گئی اور اس وقت حفاظت کا پہلو مقدم تھا۔ پس اسے پہلے رکھا گیا لیکن ان دعاؤں کی ایک اَور ترتیب بھی ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ کو الگ جملہ سمجھا جائے اور رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَ انْصُرْنِیْ وَ ارْحَمْنِیْ کو یَا حَفِیْظُ یَا عَزِیْزُ یَا رَفِیْقُ کے بالمقابل سمجھا جائے۔ اس صورت میں فَاحْفَظْنِیْ یَا حَفِیْظُ کے مقابل پر ہو گا اور اُنْصُرْنِیْ یَا عَزِیْزُ کے مقابل پر اور اِرْحَمْنِیْ یَا رَفِیْقُ کے مقابل پر اور یہ ترتیب بھی طبعی ہے۔ اس کے علاوہ ایک دفعہ مجھے بھی رؤیا میں ایک دعا بتلائی گئی تھی۔ یہ 1914ء کی بات ہے جب چوہدری فتح محمد صاحب ولایت میں تھے اور مَیں اس سے یہ نتیجہ نکالا کرتا تھا کہ اس رؤیا میں جس عذاب کا ذکر ہے وہ اسی وقت آئے گا جب چودھری فتح محمد صاحب ہندوستان میں ہوں گے۔ مَیں نے دیکھا کہ دنیا میں ایک بہت بڑا طوفان آیا ہے جس سے چاروں طرف تباہی اور

بربادی واقع ہو رہی ہے یہانتک کہ پانی بڑھتے بڑھتے اس مکان کے قریب آگیا ہے جس میں مَیں ہوں اور ہم سب اس کی چھت پر چڑھ گئے ہیں۔ اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مشرق کی طرف سے تیزی کے ساتھ دوڑتے چلے آ رہے ہیں اور فرماتے ہیں تم سب یہ دعا کرو اَللّٰھُمَّ اھْدَیْتُ بِھُدٰیکَ وَ اٰمَنْتُ بِمَسِیْحِکَ کبھی فرماتے ہیں بِنَبِیِّکَ۔ تب تم اس سے بچو گے۔[7] کہ اے میرے رب مَیں تیری ہدایت کے اس راستے پر چل رہا ہوں جو تیرے مسیحؑ نے ہمیں دکھایا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ مَیں اس جماعت میں شامل ہوں جو تیرے مسیح کی جماعت ہے اس لئے اگر مجھ پر کوئی دکھ یا عذاب آیا تو لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب ہو گا۔ پس تُو مجھے اس واسطہ اور طفیل اس عذاب سے بچا اور ہمیں لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ بنا۔ اس دن کے متعلق بھی مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ تو موقع کے مناسب حال ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی دعا ہر لحاظ سے کامل، نقائص سے پاک اور بہت بڑی برکات کا موجب ہو گی۔ بندے اپنی زبان میں جو دعائیں کرتے ہیں بے شک وہ زیادہ جوش پیدا کرنے والی ہوتی ہیں اور بے شک اپنی زبان میں دعائیں مانگنا جائز ہے مگر ان پر زیادہ زور نہیں دینا چاہئے۔ زیادہ زور انہی دعاؤں پر دینا چاہئے جو خدا اور اس کے رسول نے بتائی ہیں۔

پس مَیں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ روزانہ کوئی ایک نماز مخصوص کر کے اس میں ان دعاؤں کو کثرت کے ساتھ پڑھا کریں۔ چاہیں تو خاموشی کے ساتھ اور چاہیں تو بلند آواز سے۔ اسی طرح نماز کے علاوہ جب بھی دعا کا موقع ملے یہ دعائیں بار بار مانگی جائیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان فتنوں سے دنیا کو بچائے اور ہماری جماعت کی خصوصیت سے حفاظت فرمائے اور تا ایسا نہ ہو کہ تبلیغ کے سامان جو ہمیں میسر ہیں وہ ضائع ہو جائیں۔ ہماری خطائیں اور کوتاہیاں ہمیں ترقی سے روک دیں اور اس طرح کچھ عرصہ یا ایک لمبے عرصہ کے لئے اس کے سلسلہ پر حرف آئے اور لوگ یہ کہیں کہ یہ سلسلہ بھی آخر ناکام ہو گیا۔ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ۔"

(الفضل یکم مئی 1942ء)

1: البقرۃ: 286، 287

2: درثمین اردو صفحہ 78۔ مطبوعہ لجنہ اماء اللہ کراچی

3: مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 446، 449۔ مطبوعہ بیروت 1313ھ

4: البقرۃ: 202

5: تذکرہ صفحہ 654۔ ایڈیشن چہارم

6: تذکرہ صفحہ 485۔ ایڈیشن چہارم

7: الفضل 13 دسمبر 1914ء